مسئولیتِ فوجداری: قوانینِ وضعیہ اور شریعتِ اسلامیہ کا تقابلی جائزہ

A Jurisprudential and legal analysis of the reasons for the termination of punishment in Islamic Criminal law

DOI: 10.5281/zenodo.8243031

*Muhammad Ibrahim
*Dr. Hafiz Fayaz Ali
*** Dr. Sabeen Altaf

Abstract:

The Islamic law advocates social justice, emphasizes the status quo of a system of justice, and devises a mechanism.Consequently, in this regard, Islamic Law discusses retalition /qisas , hudood (punishments prescribed by Allah & his prophet), and to give Punishments (left to the discretion of court). Islam declares retalition /qisas as a surety of life and mentions the status quo of a system of justice as the purpose of the revelation of the Prophets and Messengers. In Islamic regulation, hudood and retaliation cannot be suspended or removed. Even as the Islamic system of justice wherein insists on paying for the rights of the victim, It additionally prevents aggression and cruelty in enforcing the regulation on the perpetrator and binds the wrongdoer or his guardians or law enforcement organizations to criminal jurisdiction. Therefore, this research article describes a systematic and comparative evaluation of Jurisprudential and legal review of the causes of exemption from serving a punishment in Islamic criminal law with reference to Al-Tashri'ul Jinai by Abdul Qadir uda.

Keywords: *exemption from serving a sentence, reasons, jurisprudencen and legally review, isqaat, shubha.*

تعارف: اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی قانون یعنی فقہ قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ جہاں مدنی، عائلی اور انفرادی امور سے متعلقہ نصوص اور اصول وضوابط سے بھرپور اور مالا مال ہے وہیں اسلامی فقہ میں ان نصوص کا بھی ایک وافر ذخیرہ موجود ہے جو مسئولیتِ فوجداری سے متعلق ہیں، قوانینِ وضعیہ کی حیثیت ان نصوص کے سامنے شمع کا سورج کے سامنے روشنی دینے کے مترادف ہے اور یا شاید اس سے بھی کم۔ اسلامی فقہ کے اندر یہ صلاحیت بھرپور انداز میں موجود ہے کہ وہ فوجداری مقدمات کو اپنے انجام تک پہنچائے، اور نہ صرف انجام تک پہنچائے بلکہ جرائم کی روک تھام میں اسلامی فقہ کے اصول وضوابط قوانینِ وضعیہ کے اصول وضوابط سے کئی گنا زیادہ نتیجہ خیز اور مؤثر ہیں۔

....

*Assistant Professor, Qurtaba University Peshawar
** Lecturer, Department of Islamiyat, University of Peshawar
***visiting lecturer,Islamic Studies, Islamia Collage University Peshawar

اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اسلامی فقہ وحی سماوی سے مستفاد ہے، اور اللہ تعالی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ بات مسلم ہے اور اپنی جگہ حقیقت پر مبنی ہے کہ قانون پر جتنی جلد، تیزی اور سختی کے ساتھ عمل درآمد کروایا جائے اتنی ہی جلد، تیزی کے ساتھ جرائم کا خاتمہ یا اس میں کمی واقع ہو گی۔ معاشرتی اور سماجی عدل وانصاف شریعتِ اسلامیہ کا اولین ترجیح اور نصب العین ہے، شریعتِ اسلامیہ شروع ہی دن سے قیامِ عدل پر زور دیتی آرہی ہے اور اس مقصد کے لئے ایک جامع پلان وضع کرتی ہے۔

چنانچہ شریعتِ اسلامیہ اس ضمن میں فوجداری قوانین کے تحت قصاص ودیت، حدود اور تعزیرات کو زیرِ بحث لاکر اس کے لئے جامع لائحہ عمل تشکیل دیتی ہے، اسلام قصاص کو موت نہیں بلکہ زندگی کی ضمانت کے طور پر پیش کرتا ہے ، بلکہ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد ہی نظامِ عدل کے قیام کے طور پر کرتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں حدود اور قصاص کے قوانین کو معطل کرنا تو کجا ان میں ذرا برابر تاخیر کو بھی سندِ جواز فراہم نہیں کی جاسکتی۔ اسلام کا قانونِ عدل وانصاف جہاں متاثرہ شخص کے نقصان کے ازالے پر زور دیتا ہے وہاں ضرر اور نقصان پہنچانے والے شخص پر قانون کے نفاذ میں ظلم اور زیادتی بھی برداشت نہیں کرتا، اور متاثرہ شخص اور یا اس کے اقرباء کو قانون نافذ کرنے والے ادارے ایک معین قانونی دائرہ کار تحت عدل وانصاف کا پابند بنا دیتی ہیں۔ اس حوالے سے دیگر قوانین کے مقابلے میں اسلام کا مسئولیتِ فوجداری میں عدل وانصاف کا پہلو غالب ہے۔ جو کہ ہمارے اس مضمون کا اساسی فرضیہ ہے۔

اہمیتِ موضوع:

انسان نہ تو زمین پر اکیلے اتارا گیا ہے اور نہ ہی اس نے زمینی چیلنجوں کا اکیلے سامنا کیا ہے، بلکہ انسان فطری اور طبعی طور پر ایک شہری کی حیثیت سے زمین میں بھیجا گیا ہے، جیسا کہ ارسطو نے بھی اپنی ایک مشہور قول میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "انسان کے ساتھ شہریت کی صفت اس کا زمینی سفر شروع کرتے ہی لاحق ہو گیا تھا، اور یہی صفتِ شہریت انسان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے، اپنی تقدیر وانجام، اللہ تعالی کی عطاء کردہ صلاحیات اور طاقتیں، اپنی مزاج، ضروریاتِ زندگی اور اپنی غالب گمان کے مطابق زندگی گزارنے کے اسباب ساتھ لیکر اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔ انسان اپنے انہیں احوال کے مطابق زندگی گزارتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالی اس زمین کو اور اس زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کو اپنی قبضۂ قدرت میں لے لیں"۔

ایک معاشرے میں سکونت پذیر ہونے سے اشیاء کی طبعی کیفیات کے مطابق انسان پر مختلف قوانین اور قواعد، مختلف عادات اور روایتیں، طور طریقوں کے ایک معین انداز کی وجہ سے ان تمام چیزوں کی پاسداری کرنا اور ان کا احترام کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ اور برابری کے ساتھ ان تمام امور کو سر انجام دینا انسان کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔ اسی

وضاحت کے پیشِ نظر وہ نظریہ بھی دم توڑ دیتی ہے کہ جس کے مطابق انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ جس میں وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا، اور وہ اس دنیا میں بغیر کسی قانون اور ضابطے کے زندگی گزار رہا تھا، اور اپنی مزاج اور خواہشات کے مطابق جیسے چاہتا زندگی گزارتا تھا۔ یہ ایک ایسے مرحلے کا غلط دعوی ہے کہ جسے کوئی بھی انسان اس طور پر تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ بھی کوئی انسانی حقیقت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہر دور کا ہر معاشرہ ایک ایسی اجتماعی نظم وضبط کا حامل رہا ہے کہ جس کی اولین ترجیح معاشرے کے مختلف پہلوؤں میں افراد کی سرگرمیوں کو منظم کرنا تھا، چاہے وہ عدالتی سرگرمی ہو، سیاسی سرگرمی ہو، خاندانی سرگرمی ہو اور چاہے تعلیمی، اقتصادی اور اجتماعی رہن سہن ہو۔ اور یہ اجتماعی تنظیم سازی ہر معاشرے کے لئے لازم اور ضروری ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر اجتماعی زندگی کا درست نہج پر چلنا اور پائیدار ہونا ممکن نہیں ہے۔

اس ضمن میں اسلامی شریعت اور وضعی قوانین دونوں نے ہی ایسے افراد کی شناخت کر کے ان کے لئے زندگی کے ہر ہر پہلوؤں میں اصول وضوابط مرتب کرنے کی سعی کی ہیں۔ البتہ یہ اظہر من الشمس ہے کہ شریعت اسلامیہ اس میدان میں اپنا کوئی نظیر نہیں رکھتی، یہی وجہ ہے کہ جہاں فوجداری مسئولیت جیسے انتہائی اہم مسئلے میں شریعتِ اسلامیہ نے اپنی واضح اور غیر مبہم اصول وضوابط کی بدولت ہر چیز کا احاطہ کیا ہے، وہی شریعت اسلامیہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے ہر قانون اور ضابطے میں اعتدال اور لچک موجود ہے، اور یہی وصفِ اعتدال شریعت اسلامیہ کو دیگر قوانینِ وضعیہ سے ممتاز کرتا ہے۔ نتیجتاً شریعت اسلامیہ کو دیگر تمام قانونی ہیکلوں پر سبقت حاصل ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ دیگر قانونی ڈھانچے شریعت اسلامیہ سے کچھ قوانین بطورِ عاریت لیکر اپنے اندر موجود نقص کا ازالہ کریں۔

فرضیہ تحقیق:

واضح رہے کہ اس تحقیق میں مسئولیتِ فوجداری سے متعلق شریعتِ اسلامی اور قوانینِ وضعیہ کے ماہرین کی آراء نقل کئے گئے ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کے ماہرین تو اپنی طرف سے خود کچھ نہیں کہتے، انہوں نے قرآن وحدیث سے جو اصول مستنبط کئے ہیں ان کو نقل کر کے پھر اس کے ضمن میں مختصر طور پر کچھ باتیں عرض کی گئی ہیں، یعنی فقہ کی مکمل تفصیل، اس کے مختلف فیہ اقوال، راجح اور مرجوح اقوال کی پوری تفصیل فراہم نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح قوانینِ وضعیہ میں سے بھی فقط ان اصول کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے کہ جو اکثر ممالک میں رائج ہیں۔ غرض یہ کہ قوانینِ وضعیہ اور شریعتِ اسلامیہ دونوں نظاموں کے صرف ان اصول کو زیرِ بحث لایا گیا ہیں کہ جو ان کے ہاں متفق علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے کہ اس تحقیق کا مقصد صرف چند اہم جوانب کو اجاگر کرنا ہے اس کو ایک دستوری حیثیت دینا ہمارے اس تحقیق کے مقاصد میں شامل نہیں ہے۔

مسئولیتِ فوجداری کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

مسئولیتِ فوجداری دو لفظوں سے مرکب ہے۔ پہلا لفظ "مسئولیت" جبکہ دوسرا لفظ "فوجداری" ہے۔پہلا لفظِ مسئولیت ثلاثی مجرد "سال یسال" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کے آخر میں "ی" مشددہ اور "ۃ" کے اضافے سے مصدرِ صناعی[1] بن گیا ہے۔اس کا لغوی معنی ذمہ داری ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے: ''وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا''[2] اور ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:''ألا کلم راع وکلم مسؤول عن رعیته''[3]۔اور مسئولیت کا اصطلاحی معنی ہے کہ ''حال أو صفة من يسأل عن أمر تقع عليه تبعته، يقال : أنا بريءمن مسؤولية هذا العمل''.[4] یعنی یہ اس شخص کی حال یا صفت ہے کہ جو شخص کسی معاملے میں مسئول ہو، اور اس معاملے کے نتائج اس پر عائد ہوتے ہوں، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "میں اس کام کی ذمہ داری سے بری ہوں"۔یہ تو مسئولیت کی ایک عمومی تعریف ہوئی۔ اور اس کی قانونی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''الالتزام بإصلاح الخطأالواقع على الغيرطبقا لقانون''[5] قانون کے مطابق کسی دوسرے شخص پر واقع ہونے والی غلطی کے اصلاح کا التزام کرنا مسئولیت کہلاتا ہے

دوسرا لفظ "فوجداری" ہے، یہ عربی زبان سے اخذ شدہ اسم "فوج" کے ساتھ فارسی کا مصدر "داشتن" سے فعل امر "دار" کے بعد حرفِ "ی" بطورِ صفت لگانے سے فوجداری بن گیا۔ مقدمات دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک قسم فوجداری جبکہ دوسری قسم دیوانی مقدمات ہوتے ہیں۔ جنایات اور عقوبات یعنی ڈکیتی، چوری، قتل، زناکاری وغیرہ جیسے جرائم اور ان کی سزاؤں سے متعلق مقدمات "فوجداری" کہلاتے ہیں، اور معاملات جیسا کہ خرید و فروخت، جائے داد وغیرہ سے متعلق جو مقدمات ہوتے ہیں ان کو "دیوانی" مقدمات کہتے ہیں۔

قوانینِ وضعیہ اور فوجداری مسئولیت کی تاریخ

قرونِ وسطی اور فرانسیسی انقلاب سے پہلے مروجہ قوانین کے تحت انسان اور حیوان تو کیا جمادات کو بھی مسئولیتِ فوجداری کا محل تصور کیا جاتا تھا، حیوانات کی طرح جمادات کو بھی سزائیں دی جاتی تھی، یعنی جس طرح ایک حیوان کی طرف ضرر رساں فعل یا ایک انسان کی طرف کسی حرام فعل کی نسبت کرکے انہیں سزائیں دی جاتی تھی اسی طرح جمادات کو بھی فوجداری مقدمات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اسی کو دیکھتے ہوئے زندہ انسانوں کی مانند اموات کے لئے بھی سزائیں تجویز کرکے ان کو دی جاتی تھی، ان کے ہاں یہ تصور موجود نہیں تھا کہ موت ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے سزائیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ مزید بر آں یہ کہ انسان فقط اپنے اعمال کا ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے سرزد شدہ افعال کا بھی مسئول تصور کیا جاتا تھا، چاہے اس کو اس دوسرے شخص کے کئے ہوئے فعل کا علم تک نہ ہو، اور چاہے اس

کو اس دوسرے شخص پر کوئی تسلط بھی حاصل ہو۔ غرض یہ کہ سزائیں متعدی ہو کر اس کے دوستوں، محلے داروں اور خاندانوں تک پھیل جایا کرتی تھی، اور ان سب کو سزائیں ایسے ہی ملا کرتی تھی جیسا کہ خود جانی شخص کو دی جاتی ہیں، حالانکہ درحقیقت یہ سارے لوگ اس جرم سے بری الذمہ ہوتے تھے۔ انسان کو اپنے اعمال کا فوجداری طور پر مسئول تصور کیا جاتا تھا، ان کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا کہ جس کو سزاء دی جارہی ہے آیا یہ شخص بچہ ہے یا بالغ ، اگر بچہ ہے تو آیا سمجھدار بچہ ہے یا ناسمجھ ، اور اگر بالغ ہے تو کیا وہ بااختیار بھی ہے یا نہیں، عاقل ہے یا نہیں، اور اس کے حواس کام کررہے ہیں یا نہیں۔ نتیجہ یہ کہ ان کے ہاں کسی بھی چیز کی طرف صرف جرم کی نسبت اس بات کے لئے کافی ہوتی تھی کہ اسے سزائیں دی جائے۔(6)

اس سب سے بڑھ کر اندھیر نگری یہ کہ جو افعال ان کے ہاں محظور تصور کئے جاتے تھے ان افعالِ محظورہ کے تعین کا پہلے سے کسی کو علم نہیں ہوتا تھا، یعنی لوگوں کو کسی فعل کی پاداش میں پکڑ کر سزاء دی جاتی تھی حالانکہ ان کو اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی تھی کہ میں جو فعل سرانجام دینے جارہا ہوں یہ ہمارے قانون کے مطابق ممنوع ہے۔ بسا اوقات یہ ہوتا تھا کہ کسی شخص نے کوئی عمل کیا جس کی پاداش میں اس کو پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے جایا گیا، قاضی نے اپنی صوابدید کے مطابق جو فیصلہ دیا بس وہی فیصلہ اس کے حق میں قانون بن کر سزاء دی جاتی تھی، اگرچہ اس سے پہلے دوسرے لوگ بھی یہی فعل سرانجام دے چکے ہوتے، لیکن ان کو اس نو حرام شدہ فعل کی پاداش میں قاضی صاحب نے کوئی سزاء نہیں دی ہوتی تھی، بس قاضی نے سوچا اور چاہا کہ اس فعل پر سزاء ہونی چاہئے تو وہ فعل قابلِ مواخذہ بن جاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ایک ہی فعل کے ارتکاب پر دی جانے والی سزائیں ایک دوسرے سے بڑی حد تک مختلف ہوا کرتی تھی، اس لئے کہ ان سزاؤں کو پہلے ہی سے کسی قانونی ڈھانچے میں نہیں تشکیل دیا ہوتا تھا، بلکہ قاضی اور حاکمِ وقت اپنے صوابدید کے مطابق بلا کسی قید و شرط اور بلا کسی روک ٹھوک کے سزائیں جاری کیا کرتے تھے۔(7)

اختصار کے پیشِ نظر ان فرسودہ اصول و ضوابط کا پیش کیا گیا ہے کہ جن پر قوانینِ وضعیہ کی بنیاد قائم کی گئی تھی۔ اور ان فرسودہ اصولوں کا تعلق درحقیقت اس مادی مسئولیت کی نظریے کے ساتھ ہے جس مادی مسئولیت کو قوانینِ وضعیہ پر بھی غلبہ حاصل ہوتا تھا، جو مجرم اور جرم کے درمیان صرف مادی تعلق پر نظر رکھتی تھی، اسی طرح جانی اور اس کے دیگر رشتہ دار اور متعلقین کو بھی اپنا ہدف بناتی تھی، اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی کہ جانی کی ذہنی صلاحیت کیا ہے، کیا مجرم سوچنے، سمجھنے، اور تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں، اور کیا وہ بااختیار ہے یا نہیں۔ اور نہ ہی اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ مجرم نے جس فعلِ ممنوع کا ارتکاب کیا ہے؛ آیا مجرم نے اس فعل کے کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا کہ نہیں، مزید یہ کہ یہ امور فعلِ ممنوع سے متعلق ہے بھی یا نہیں، اور اس فعل کے سماج پر کس حد تک منفی اثرات پڑ سکتے ہیں؟۔

فرسودہ اصول کے بل بوتے پر قائم مذکورہ بالا ظالمانہ اور جابرانہ قوانین انقلابِ فرانس تک مسلط رہی، ان سخت قسم کی حالات نے انقلابِ فرانس کے بعد پلٹا کھا کر ان ظالمانہ اصول کی جگہ دوسرے نئے اصولوں متعارف ہوئے جن میں عدل وانصاف کی کچھ نہ کچھ جھلک نمایا تھی، ان نئے قوانین میں مسئولیت کے واسطے مجرم کے اندر ادراک اور اختیار کو اساسی عناصر کے طور پر متعارف کیا گیا، جس کی رو سے سزاء صرف زندہ انسان کو ہی دی جاسکتی تھی، سزاء صرف اس شخص تک منحصر کی گئی جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہو، انقلابِ فرانس سے قبل مروجہ قوانین کی طرح نہیں کہ جن کے مطابق مُردے اور مجرم کے دیگر رشتہ دار وغیرہ کو بھی معاف نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اب سزاء صرف اور صرف اس شخص کو ملنے لگی جس نے فعلِ ممنوع کا ارتکاب کیا ہو، اس کے دیگر متعلقین کو سزاء بھگتنے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی زیرِ غور لائی گئی کہ اگر کسی بچے نے فعلِ ممنوع کا ارتکاب کیا ہے تو آیا اس بچے کے اندر تمیز موجود ہے یا نہیں، پھر بچوں کے لئے کچھ ایسی قوانین متعارف کی گئی کہ جو بڑے افراد کے لئے واضع کی گئی قوانین کے مقابلے میں کچھ نرم تھی، اور اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ جب تک کسی فعل کو قانونی طور پر جرم قرار نہ دیا گیا ہو تب تک اس فعل کی پاداش میں کسی کو سزاء بھی نہیں دی جاسکتی۔[8]

شریعتِ اسلامیہ اور فوجداری مسئولیت کی تاریخ

جس شخص کو اسلامی علوم کے ساتھ معمولی سی مناسبت بھی ہو وہ یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ تمام قوانینِ جدیدہ جن سے قوانینِ وضعیہ انیسویں اور بیسویں صدی کے دوران ہی متعارف ہو چکی ہیں، ان قوانین سے متعلق شریعتِ اسلامیہ روزِ اول سے ہی بہرہ ور تھی، اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ یہ اصول اسلامی شریعت کے اساسی امور میں سے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کے تعلیمات اور قوانین کے مطابق سزاء صرف اور صرف زندہ اور مکلف انسان کو ہی دی جاسکتی ہے، موت ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے شرعی تکلیف ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ جب ایک انسان انتقال کر جاتا ہے تو اس سے تمام تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ نے ان سزاؤں سے بچوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو سزائیں افعالِ ممنوعہ کے ارتکاب پر مردوں کو دی جاتی ہیں، یعنی وہ بچے جو تا حال حدِ بلوغت تک نہیں پہنچے۔ اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے: ''وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ''[9] یعنی جب تمہارے بچے بلوغ تک پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لیکر آنا چاہئے جس طرح ان سے پہلے والے لوگ اجازت لیکر آتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ ، وعن الصبي حتى يحتلم ، وعن المجنون حتى يعقل"[10] یعنی تین

اشخاص پر مسئولیت نہیں ہے، ایک بچہ جب تک کہ وہ بلوغت تک نہ پہنچ جائے، سویا ہوا شخص تا آنکہ وہ بیدار نہ ہو، اور مجنون جب تک کہ اس کی ذہنی حالات درست نہ ہو جائیں۔

ایک ایسا شخص کہ جس سے فعلِ ممنوع زبردستی سرانجام دیا گیا ہو، یعنی اس کو اگر مجبور نہ کیا جاتا تو وہ یہ فعل کبھی نہ کرتا، اسی طرح وہ شخص کہ جس کے اندر عقل مفقود ہو؛ شریعتِ اسلامیہ کے قوانین کے مطابق ایسے اشخاص پر بھی کوئی قدغن نہیں لگایا جاتا۔ اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے: '' إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُه مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ''(11) یعنی مگر وہ شخص جو مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ''(12) یعنی جو مجبور ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ وہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "تجاوز الله عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه"(13) یعنی میری امت سے غلطی اور نسیان (بھول) معاف ہے، اور وہ افعال بھی معاف کر دئے گئے ہیں کہ جن کے کرنے پر کسی کو مجبور کیا گیا ہو۔

یہ ایک قاعدہ شریعتِ اسلامیہ کے قواعدِ اساسیہ میں سے ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا، ہر شخص کو صرف اور صرف اس کے کئے ہوئے کی سزاء ملے گی۔ اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے: '' اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى. وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى '' (14) یعنی کوئی شخص دوسرے کا بوجھ برداشت نہیں کرے گا۔ اور انسان کو وہی ملتا ہے جو کرتا ہے۔ چنانچہ ایک انسان کا مواخذہ صرف اسی جرم میں ہی کیا جا سکتا ہے کہ اس نے خود کیا ہو، دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق چاہے کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو وہ اس کے جرم میں ہرگز نہیں پکڑا جائے گا۔

اور یہ قاعدہ بھی شریعت اسلامیہ کے قواعدِ اساسیہ میں سے ہے کہ ہر ایسا فعل جس کے بارے میں تا حال لوگوں کو مطلع نہ کیا گیا ہو کہ یہ فعل حرام ہے تو اس میں بھی شریعتِ اسلامیہ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔ کسی بھی فعل پر سزاء صرف اسی وقت ہی دی جا سکتی ہے جس وقت فعل کو حرام قرار دیا جائے۔ جن چیزوں کو شریعتِ اسلامیہ نے پہلے سے حرام قرار نہ دی ہوں ان کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے کہ ''عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ'' (15) یعنی اللہ تعالی نے اس چیز کو معاف کیا ہے جو گزر چکی۔

حدود اور قصاص کے جرائم میں شریعتِ اسلامیہ نے قاضی کو ایسا کوئی اختیار نہیں دیا کہ جس کی رو سے وہ اپنی صوابدید پر سزائیں تجویز کرے۔ البتہ تعزیرات کے باب میں شریعتِ اسلامیہ نے قاضی کو یہ اختیار ضرور دیا ہے کہ دو حدوں والی سزاؤں میں قاضی جرم اور مجرم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے واقعۂ حال کے مطابق فیصلہ کر کے سزاء تجویز کر سکتا ہے،

البتہ اس میں بھی قاضی ایسی سزاء نہیں دلوا سکتا کہ جس کو اولوا الامر نے جاری نہ کیا ہو، اور نہ ہی حدود سے متعلق ان سزاؤں میں کوئی کمی اور بیشی کر سکتا ہے کہ جس کو اولوا الامر نے پہلے سے ہی جاری کیا ہو۔

قوانینِ وضعیہ نے جن جدید مباحث کی ابتداء اب کی ہیں اور جن سے وہ ابھی متعارف ہوئی ہیں؛ شریعتِ اسلامیہ ان سے چودہ سو سال پہلے متعارف ہو چکی ہے اور نہ صرف متعارف ہو چکی ہے بلکہ عملی طور پر ان قوانین کا اجراء بھی کیا گیا ہیں۔ مگر انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل اسلامی ممالک میں جتنے بھی مسلمان ماہرینِ قانون ہیں وہ سب اس سے ناواقف ہیں، اور ان کا یہ زعم ہے کہ ہم جو لاء پڑتے ہیں اور یالاگو کرتے ہیں ان کا اصل مصدر قوانینِ وضعیہ ہیں۔ ہمیں اس جانب توجہ دینی چاہئے کہ قوانینِ وضعیہ کے جتنے بھی تشریعات ہیں ان سب میں وہ شریعتِ اسلامیہ کے محتاج رہے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ کیونکہ قوانینِ وضعیہ کی پوری بنیاد ہی شریعتِ اسلامیہ سے اخذ کردہ اصولوں کے بل بوتے پر قائم ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اس میں بعض ایسی چیزیں داخل کی ہیں کہ جس کی وجہ سے بعض مبادی کا اسلامی تشخص باقی نہیں رہا ہے لیکن دراصل اس کا مصدر تشریعِ اسلامی ہی ہے۔

قوانینِ وضعیہ میں مسئولیتِ فوجداری کا نظریہ

جیسا کہ تاریخی پسِ منظر میں یہ بات ذکر کی گئی کہ انقلابِ فرانس سے قبل قوانینِ وضعیہ ایسے تھے کہ جن کی رو سے مادی تعلق کے پیشِ نظر بھی قضاۃ فیصلے کیا کرتے تھے، اور اس وقت کے قوانین ہر کس و ناکس کو سزائیں دلواتے تھے۔ پھر ان سزاؤں کی نوعیت سے قطع نظر؛ ان سزاؤں کے اجراء میں انسان، حیوانات اور جمادات کے مابین کوئی فرق نہیں برتا جاتا تھا، نیز زندہ اور مردہ، بالغ اور نابالغ، عاقل اور مجنون ان سب کو بغیر کسی تفریق اور امتیاز کے سزائیں دی جاتی تھی۔(16)

مسئولیتِ فوجداری کا نظریہ انقلابِ فرانس کے بعد "نظریۂ اختیار" کے فلسفہ کے محور میں گھومتی رہی، اور اس نظریے کو "روایتی مذہب" جیسا نام دیا گیا، مذکورہ "روایتی مذہب" کے مطابق سزاء صرف اسی مجرم کو ملا کرتی تھی کہ جس کے اندر اختیار اور شعور ہوتا تھا، اب چونکہ مذکورہ دونوں اوصاف صرف انسان کا خاصہ ہے، چنانچہ حیوانات اور جمادات فوجداری طور پر مسئول نہیں رہے۔ انسان اپنے عمر کے ایک خاص حد تک پہنچ کر خیر اور شر کے مابین تفریق اور تمیز کر سکتا ہے۔ خیر اور شر کے مابین فرق معلوم ہونے کے بعد ہی وہ شارع کے اوامر اور نواہی کا مخاطب ہوتا ہے اور جب کوئی انسان شعور اور اختیار کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی کسی امرِ محظور کا مرتکب پایا جاتا ہے تو اسے مخالفتِ شارع کی بناء پر سزاء دی جاتی ہے، چنانچہ پتہ چلا کہ ان قوانین کی رو سے مسئولیت شعور اور اختیار کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور سزاء مخالفتِ شارع کی صورت میں عدل وانصاف کے دائرے میں رہتے ہوئے بدلہ لینے اور اوامرِ شارع کو نافذ کرنے کی ضمانت کا نام ہے۔(17)

یہ "روایتی مذہب" بھی ایک عرصے تک راج کرتا رہا، لیکن پھر اس کے بعد قوانینِ مروجہ نے اس "روایتی مذہب" کے قائم مقام ہو کر جگہ لے لی، اور یہ قوانینِ مروجہ "روایتی مذہب" کے برعکس ظلم وجبر کی بنیاد پر قائم ہوئی، بطورِ خلاصہ

کچھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک فرد جرم کے ارتکاب میں خود مختار نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کو ارتکابِ جرم پر اکسانے میں بہت سے دیگر عوامل کا بھی دخل ہوتا تھا، اور ان میں بعض عوامل تو موروثی ہوتے تھے، جبکہ بعض دیگر عوامل ایسے بھی ہوتے تھے کہ جن کا تعلق مجرم کے جسمانی ساخت، تعلیم اور ماحول کے ساتھ ہوتا تھا، مجرم اگر اپنی اختیار سے جرم کا مرتکب نہ ہوتا تو "روایتی مذہب" کے مطابق اس کو سزاء نہیں دی جاسکتی تھی، تاہم معاشرے کو تحفظ اور حمایت فراہم کرنے کی غرض سے کبھی سزاء بھی دی جاتی تھی، جیسا کہ پہلے بھی اس کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ اس "روایتی مذہب " کے مطابق سزاء دیکھتے وقت قاضی کا اس بات کی طرف کوئی دھیان نہیں ہوتا تھا کہ مجرم خود مختار ہے یا نہیں ؟ مجرم شعور رکھتا ہے کہ نہیں ؟ مجرم عاقل ہے یا مجنون ؟۔ البتہ ہر مجرم کو جو سزاء دی جاتی تھی اس میں مجرم کی عمر اور اس کی عقلی صلاحیت کے مختلف ہونے کے ساتھ سزاء بھی مختلف ہوتی تھی ۔ بعض دیگر قوانین بھی اسی "روایتی مذہب" سے اخذ کردہ ہیں، انہیں اخذ کردہ قوانین میں سے ایک سوویت یونین کا قانون بھی جو کہ سن 1926ء کے دوران سامنے آیا تھا، البتہ اس "روایتی مذہب" کو اکثر ممالک نے مسترد کر کے قبول کرنے سے انکار کیا۔[18]

ماقبل دونوں مسالک کے مابین تطبیق پیدا کرنے کے لئے ان کے بعد ایک تیسرے ملک نے سامنے آکر تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی، چنانچہ اس نے عملی طور پر ایک نظریے کو تشکیل دے کر اس کا نام "اختیارِ نسبی" رکھا، انہوں نے اس مذہب کو اس غرض سے ایجاد کیا تاکہ سابقہ "روایتی مذہب" کو اپنی جگہ پر برقرار رکھ سکے، کیونکہ مجرم چاہے جتنا بھی مسلوب الاختیار ہی کیوں نہ ہو ؛ ارتکابِ جرم میں مجرم کا دخل ضرور ہوتا ہے۔اس مذہبِ جدید نے "روایتی مذہب" کے اندر ایک اور چیز کا بھی اضافہ کیا، اور وہ یہ کہ شارع کو اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ وہ سماجی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے کے لئے ان افراد کے حق میں بھی سزائیں تجویز کرے جو افراد سوچنے، سمجھنے اور خود مختاری جیسے اوصاف سے عاری ہوتے ہیں، چنانچہ قانون ساز واقعۂ حال کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے حق میں فیصلہ کرے۔ اور "اختیارِ نسبی" کے نام سے یہی مذہبِ جدید آج کل مروجہ قوانین میں نافذ العمل ہے۔[19]

تیسرے مذہب یعنی "اختیارِ نسبی" پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مذہبِ قانونی اور شریعتِ اسلامیہ کے مابین نتیجے کے لحاظ سے کوئی فرق موجود نہیں، اس لئے کہ اس آخر الذکر مذہبِ قانونی کو نافذ کر کے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں بالآخر وہی نتائج شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ سے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں ہر چیز کی لمبی لمبی تفصیلات موجود ہیں، کیونکہ اس میں ہر چیز کو انتہائی باریک بینی کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شرعی قوانین انتہائی خوبصورت شکل میں سموئے ہوئے ہیں، اور اس میں قوانین کو بے حد خوبصورت انداز میں پیرو یا گیا ہیں۔ جیسا کہ ماقبل میں بھی یہ بات سامنے آئی کہ شریعتِ اسلامیہ سزاء سماجی نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے

وضع کرتی ہے۔ نیز شریعتِ اسلامیہ سزاؤں کے اجراء میں عقل مند، بے عقل، خود مختار اور غیر خود مختار اشخاص کے مابین تفریق برتتی ہے۔ جہاں تک مذہبِ قانونی کی بات ہے سو اس میں اجرائے سزاء کے دوران جرم اور مجرم کی حالات سامنے نہیں رکھی جاتی، بلکہ صرف اتنی بات مدِ نظر رکھی جاتی ہے کہ مجرم نے شارع یعنی قانون ساز کے احکامات کی مخالفت کی ہے۔ اس مذہب میں اجرائے سزاء کے لئے بس اتنی بات کافی ہوتی ہے۔

مذہبِ قانونی کا مذکورہ نظریہ اس روایتی مذہب کے بل بوتے پر قائم ہے جس کو مذکورہ بالا سطور میں بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مذہب منطقی اعتبار سے غیر مسئول شخص کو مسئولیت کے دائرے میں لانے سے متعارض ہے، اور ایسے شخص کے خلاف کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی سے بھی متعارض ہے۔ کوئی بھی عقل مند شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک بے عقل اور غیر خود مختار شخص کو مخالفتِ شارع کی بناء پر سزاء دی جائے، تو جب اس نے مخالفتِ شارع کا ارتکاب ہی نہیں کیا تو اسے سزاء دینا بھی عدل و انصاف سے متصادم ہے، لہٰذا ایسے شخص کو سزاء نہیں دی جاسکتی۔ شریعتِ اسلامیہ اپنی بے مثال عدل و انصاف پر مبنی رویہ پر زور دیتی ہے کہ ایک جانب تو بے عقل اور غیر خود مختار شخص کو بغیر کسی وجہ کے سزا نہ دی جائے، تو دوسری جانب سماجی حفظ و امان کو بھی برقرار رکھنے کے اپنے اندر ٹھوس اقدامت سموئے ہوئی ہے۔ چنانچہ شریعتِ اسلامیہ عاقل اور خود مختار شخص کو سزاء ضرور دلواتی ہے لیکن اگر کوئی مذکورہ دونوں اوصاف سے محروم ہو تو ایسی شخصیت سے متعلق شریعتِ اسلامیہ کا نظریہ انتہائی احتیاط پر مبنی ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے اب ایسے اشخاص کو کھلا چھوڑ دیا ہے کہ جو ان کا جی چاہے کرتے پھرے، بلکہ شریعتِ اسلامیہ نے سماجی حفظ و امان کا بھی بایں طور مکمل بندوبست کیا ہے کہ کچھ ایسے ذرائع کو سزاء کے طور متعارف کیا ہے کہ جس کی وجہ سے بوقتِ ضرورت ایک غیر مسئول شخص کے نقصان سے سماجی حفظ و امان کو یقینی بنایا جاسکے۔ اور یہ بات نظر انداز کرنا بڑی زیادتی ہوگی کہ شریعتِ اسلامیہ نے اس نظریے کو 700ء میں متعارف کرایا تھا۔ اور یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ قوانینِ وضعیہ کے تمام نت نئے مذاہب کو بیسوی صدی عیسوی میں متعارف کرایا گیا۔ جہاں تک بات ان لوگوں کی ہے کہ جن کا کہنا ہے کہ قوانینِ وضعیہ ایسی جدید بنیادوں پر قائم ہیں کہ جن سے شریعتِ اسلامیہ کبھی واقف نہیں رہا ہے، تو ان کے اس دعوی سے متعلق بس صرف اتنی بات ہی کافی ہے کہ ان کا یہ دعوی حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

شریعتِ اسلامیہ میں مسئولیتِ فوجداری کا نظریہ

انسانی سماج میں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جن افعال کے کرنے سے لوگوں کو منع کیا جاتا ہے اس کے کرنے کی صورت میں افراد یا معاشرے کے عقائد اور یا ان کی ذاتی زندگی جیسا کہ مال و متاع، عزت و آبرو اور یا ان کے جذبات متاثر ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نجی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے کہ ہر وہ فعل کہ جس کے ساتھ انفرادی مصالح متعلق ہوں؛ اگر اس کا خیال نہ رکھا گیا تو اس سے بالآخر اجتماعی نظام کے مصالح بھی متاثر ہوں گے، لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو بھی

فعل محرمات کے زمرے میں داخل کیا جاتا ہے تو وہ اس لئے کہ در حقیقت سماجی نظامِ حفظ وامان کے متاثر ہونے کا خدشات ہوتے ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ جو سزائیں مقرر ہیں وہ دراصل اجتماعی امن وسلامتی کے تحفظ کے لئے ہیں۔

حرام قرار دیئے گئے افعال میں بعض افعال تو وہ ہیں کہ جو ذاتی اور طبعی طور پر ہی جرم سمجھے جاتے ہیں، کیونکہ وہ اخلاقِ حمیدہ کے منافی ہوتے ہیں، جیسا کہ زنا، جھوٹ، دھوکہ، چوری اور ڈاکہ وغیرہ۔ جبکہ بعض دیگر امور ایسے ہیں کہ جو نہ تو اپنی ذاتی اور طبعی لحاظ سے جرم تصور کئے جاتے ہیں اور نہ ہی اخلاقِ حمیدہ کے منافی ہوتے ہیں بلکہ وہ دراصل ان کو شریعتِ اسلامیہ نے اس لئے حرام قرار دیا ہوتا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے معاشرے کی امن وسلامتی خطرے میں پڑتی ہے، جیسا کہ شریعتِ اسلامیہ نے اسلحہ اٹھانے کو حرام افعال کے زمرے میں شمار کیا ہے، اسی طرح ایک متعدی مرض میں مبتلاء مریض کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں داخل ہونا، علم حاصل نہ کرنا؛ مذکورہ تمام افعال کو شریعتِ اسلامیہ نے اجتماعی نظام حفظ وامان کو یقینی بنانے اور اس سے ہر قسم کے شر وضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے حرام قرار دیا ہے۔

چونکہ معاشرتی مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے افعال کو حرام قرار دیئے جاتے ہیں، چنانچہ سزاء بھی اسی واسطے مقرر کی جاتی ہے کہ جو فعل بھی سماجی نظم ونسق، امن وامان کے لئے مضر ہو اس سے لوگوں کو تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ معاشرے کو جرم اور مجرمین سے پاک کرنے کے لئے سزاء چونکہ سب سے بہترین ذریعہ ہے، اسی وجہ سے سزاء معاشرے کی ایک اجتماعی ضرورت بن گئی، اب سزاء کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ صرف سزاء ہی پر اکتفاء نہیں بلکہ ہر وہ ذریعہ کہ جو سزاء کا قائم مقام بن کر معاشرے کو جرم اور مجرمین سے تحفظ فراہم کرسکے وہ معاشرے کی ناگزیر ضرورت ہے۔ چونکہ سزاء معاشرتی مفاد کے واسطے ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور ضرورت کو ضرورت کی حد تک ہی رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ معاشرے کی تحفظ اور اس کو جرائم سے پاک کرنے کے لئے جتنی سزاء درکار ہو اسی کے بقدر سزائیں جاری کی جائیں، اس سے زیادہ سزائیں جائز نہیں، اور یہ بھی جائز نہیں ہوگا کہ جتنی سزاء کی ضرورت ہو اس سے کم سزاء دی جائے۔

سزا میں جس قدر اعتدال ہو وہ اتنی ہی کارگر ثابت ہو کر مفادِ عامہ کے لئے مفید ہوگی، اور سزاء میں جتنا افراط وتفریط ہو اتنے ہی اس کے برے اثرات نمودار ہوں گے۔ اب سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا پیمانہ کیا ہوگا کہ یہ سزاء افراط وتفریط پر مشتمل ہے یا اعتدال پر مبنی ہے؟ اس کے لئے مصر کے مشہور قانونی ماہر اور مصر کے عدالتِ عالیہ کے جج علامہ عبد القادر عودۃ شہیدؒ نے اپنی کتاب "التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالقانون الوضعی" میں لکھا ہیں [20] کہ جب سزاء مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہو تو اس سے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ سزا افراط اور تفریط سے خالی ہے اور مفادِ ملت اور اصلاحِ معاشرہ میں کلیدی کردار ادا کرسکتی ہے:

1. لوگوں کی مزاج اور طبائع مختلف ہوتے ہیں، بعض لوگ ایسی طبیعت کے حامل ہوتے ہیں کہ جن کو معمولی نوعیت کی سخت بات بھی پہاڑ کی مانند لگتی ہے، جبکہ بعض دیگر افراد سخت مزاج ہوتے ہیں کہ ان کو اگر بڑی سے بڑی سزاء بھی دی جائے وہ ان کے لئے معمولی سی بات لگتی ہے، وہ بالکل بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ وہ شرم محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ قاضی اور حاکم وقت ان کی مزاج اور کیفیتِ حال کو دیکھتے ہوئے سزاء تجویز کرنی چاہیئے، کیونکہ عموما اس طرح کے لوگوں کا افعالِ شنیعہ اور جرائم طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہوتی ہیں جس میں وہ لوگ عار محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی وہ سزاء کو اپنے لئے باعثِ شرم تصور کرتے ہیں، نتیجۃً معمولی سی سزاء ان کے حق میں غیر موثر ہوگی۔ اسی طرح جرم کی نوعیت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ تاکہ جرم اور مجرم کے مابین توازن کو برقرار رکھا جاسکے۔ مذکورہ باتوں کا لحاظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی جرم پر دی جانے والی تمام سزائیں آپس میں مختلف ہوں، چنانچہ سزائیں ادنی اور اعلی کی ترتیب سے تشکیل دیا جانا ضروری ہے، اس لئے کہ جب مجرم کی اندرونی کیفیت کو سامنے رکھا جائے جائے گا تو ظاہر بات یہی ہے کہ سزایافتہ مجرمین کی اندرونی کیفیات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگی۔ بلاشبہ ایسی معاملات کے لئے ایک عاقبت اندیش قاضی کا ہونا ضروی ہے۔

2. سزاء کا ایسا ہونا ضروری ہے کہ جو دوسروں کو دھمکانے کے لئے کافی ہو، یعنی سزاء اس قدر ہو کہ جس سے دوسرے لوگ عبرت حاصل کرسکیں، کیونکہ معاشرے سے فساد کا خاتمہ تبھی ممکن ہے کہ لوگوں کے ذہن میں فعلِ بد کا انجامِ بد موجود ہو کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میرا انجام بھی فلاں شخص جیسا ہوگا، کیونکہ وہ بھی اسی طرح فعل کا مرتکب ہوا تھا جس کے پاداش میں حکام نے اس کو عبرت ناک سزاء دی تھی۔ کم از کم سزاء کا مقدار اتنا تو ہونا ہی چاہیئے کہ مجرم کو جرم کرنے سے پہلے سوبار سوچنا پڑے کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میرے دن اچھے نہیں رہیں گے، اور جس نفع کے حصول کے لئے میں یہ کام کررہا ہوں اس سے کئی درجے بڑھ کر مجھے نقصان اٹھانے کا اندیشہ ہے، جب سزاء ایسی ہوگی تو مجرموں کو جرم سے خود بخود نفرت ہونے لگ جائے گی۔

3. جیسا کہ پہلے بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ جس چیز پر زیادہ زور دیتی ہے وہ یہ کہ سزاء کا افراط اور تفریط سے خالی ہونا ضروری ہے، یعنی سزاء میں اعتدال کا پہلو غالب ہونا چاہیئے، چنانچہ اعتدال کو برقرار اور متوازن رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ جرم اور اس پر دی جانے والی سزا کے مابین کچھ نا کچھ مناسبت موجود ہو، اس لئے کہ تعدی اور تجاوز بذاتِ خود جرم ہے، ایک جرم کو دوسرے جرم کے ذریعے ختم نہیں کیا جاسکتا، شریعتِ اسلامیہ نے اسی چیز لحاظ رکھا ہے، اور ہر حرام شدہ فعل کے لئے اسی کی مناسب سزاء مقرر کی ہے، چنانچہ قتلِ عمد اور قتلِ خطاء دونوں کی

سزائیں آپس میں مختلف ہیں۔ اسی طرح شریعتِ اسلامیہ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے، لیکن قذف کی سزاء میں قاذف کی زبان کاٹنا مقرر نہیں کیا، اسی طرح زنا بھی ہے کہ زنا کی سزاء میں زانی کو خصی کرنے کی سزاء شریعتِ اسلامیہ نے تجویز نہیں کی۔

4. چوتھی بات یہ کہ سزاء عمومی ہونی چاہئے، یعنی سزاء ایسی نہ ہو کہ اس سے بچنے کے لئے کوئی شخص اپنے کسی خاص امتیازی اوصاف کا دعوی کر کے خود کو بچانے میں کامیاب ہو جائے، بلکہ سزاء ایسی ہونی چاہئے کہ مجرم شخص پر اس کو آسانی کے ساتھ منطبق کیا جاسکے، تاکہ کوئی بھی مجرم اپنی شخصیت، اہمیت، خصوصیت اور دیگر امتیازات کی بناء پر معاف نہ ہو۔ کیونکہ اگر سزاء عمومی نہیں ہوگی تو ناتواں افراد اس کے زد میں تو آئیں گے لیکن طاقتور لوگ اپنے لئے راستہ نکالیں گے، جس سے معاشرے کو عدل وانصاف کی فراہمی میں توازن نہیں رہے گا، اور بالآخر یہ بات شرعی سزاؤں کے تعطل پر منتج ہو سکتی ہے۔

جب سزاء کے اندر مذکورہ بالا عناصر بدرجہ اتم موجود ہوں تو یہ معمول کے مطابق ایک عام سزاء ہوگی، چنانچہ ایسی سزاء صرف ایسے شخص کو ہی دی جاسکتی ہے کہ جو صاحبِ عقل وادراک ہو اور اس نے اپنی رضا واختیار سے جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ اور اگر مجرم بے عقل اور غیر مدرک ہو، یا اس سے زبردستی جرم کروایا گیا ہو تو ایسی صورت میں ایک عمومی قاعدے کے تحت اس شخص کو سزاء نہیں دی جاسکتی ۔ مجنون اگر کسی شخص کو قتل کر دے تو مجنون کو قصاصا قتل نہیں کیا جاسکتا، اگر مجنون زنا کر بیٹھے تو اس کو اس جرم کی پاداش میں کوڑے نہیں مارے جاسکتے، ناسمجھ بچے کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ (21) لیکن معمول کے مطابق ان عام سزاؤں کا عدمِ ادراک اور عدمِ اختیار کی وجہ سے جاری نہ ہونا معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتا ہے، اور اہلِ معاشرہ کو مناسب اور کافی ذرائع سے تحفظ فراہم نہیں کی جاسکتی، چنانچہ ایک ناسمجھ بچے پر قصاص کا حکم نہ لگنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ اس کو اب کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ آوارہ پھرتا رہے اور لوگوں کے جان ومال کو نقصان پہنچاتا رہے، بلکہ اس کو پناہ گاہ یا دیگر اصلاحی مراکز میں تاوقتِ اصلاح رکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح شخصِ مجنون کے شر اور ضرر سے بھی لوگوں اس طور پر تحفظ فراہم کیا جاسکتا ہے کہ مجنون کو شفاء خانے میں علاج کی غرض سے داخل کرایا جائے۔ غرض جب بھی کوئی مجرم اپنے کئے ہوئے کی سزاء بھگتنے سے کسی طریقے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے تو اہلِ معاشرہ اس کی شر سے ہر ممکن اقدامات کرسکتے ہیں، اگرچہ وہ مسئول نہ ہونے کی بناء پر اس کو معمول کے مطابق عام سزاء نہیں دی جاسکتی، اس کا طریقہ کچھ یوں ہو سکتا ہے کہ پھر ایسے شخص کو ایک محدود یا لامحدود وقت تک شفاء خانے یا پناہ گاہ میں رکھا جاسکتا ہے، تاآنکہ وہ شفاء یاب ہو جائے اور یا اس کی اصلاح ہو جائے، اور لوگ اس کے شر وضرر سے خود کو محفوظ تصور کریں۔

مذکورہ بالا سزاؤں کو شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہیں، یعنی ہیئت اور صورت کے اعتبار سے تو یہ سزائیں ہیں لیکن یہ عام معمول کے مطابق سزائیں نہیں ہیں، بلکہ یہ عام معمول سے ہٹ کر خاص سزائیں ہیں، جو کہ

واقعۂ حال کی مناسبت سے جاری کئے جاتے ہیں، اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر ممکن حد تک اہلِ معاشرہ کو تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجرم کی اصلاح ہو جائے، کیونکہ علاج اور اصلاح الذات دونوں بذاتِ خود بھی مطلوب ہیں۔

اجرائے سزاء کے لئے عقل اور اختیار وغیرہ کو شرط قرار دینے کے حوالے سے بعض فقہاء کرام یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے بندوں کو پیدا ہی اس لئے کیا کہ وہ ان کا امتحان لے کہ میرا کونسا بندہ میری طابع داری کرتا ہے اور کونسا بندہ میری نافرمانی کرتا ہے، اور پھر امتحان لینے کے لئے اللہ تبارک وتعالی نے مختلف الانواع آزمائشیں پیدا کر کے پوری انسانیت کو عبادت کا مکلف بنایا، ان میں بعض آزمائشیں ایسی ہیں کہ جن تعلق انسان کی ذات سے ہے، یعنی قوتِ مدرکہ، قوتِ بینائی، قوتِ گویائی، قوتِ سماعت، قوتِ شم، خواہشات، طبائع، محبت، نفرت، میلان وعدمِ میلان اور تمام وہ متضاد اخلاق کہ جو اپنے اثرات کا اس طرح متقاضی ہوتے ہیں جیسا کہ سبب اپنے لئے مسبب کا متقاضی ہوتا ہے۔ رہی بات جسمِ انسانی کے خارج سے تعلق رکھنے والی آزمائشیں؛ سو اللہ تبارک وتعالی نے اس میں بعض ایسے منافع اور مقاصد پیدا فرمائی ہے کہ جن کی طرف نفسِ انسانی مائل ہوتا ہے اور اس کے حصول میں تگ ودو کرکے لوگ ایک دوسرے آگے بڑھنے کی کوشش میں ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان ہی اسباب ومعانی میں بعض اس طرح کے ہیں کہ جن سے نفسِ انسانی متنفر ہوتا ہے اور خود کو ان سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالی نے انسان کی تخلیق کرکے پھر ان کی طبائع کو ایسے ہی بے کار نہیں چھوڑا بلکہ ان کی طبیعتوں اور عقول میں خیر اور شر کی تمیز رکھی، اور ان کو یہ بھی علم دی کہ کونسی چیز اس کے حق میں نفع بخش ہے اور کونسی چیز اس کے حق میں مضر ہے، اس میں لذت اور درد کی معرفت ودیعت رکھتے ہوئے اس کے اسباب کی معرفت بھی دی، اور صرف انہیں چیزوں پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ان چیزوں کی مزید وضاحت کے واسطے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا کی طرف مبعوث فرمایا، اور ان کے صدق وامانت پر دلائل قائم کئے تاکہ لوگوں کے پاس اس کے بعد کوئی بھی عذر یا کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے: ''لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ''[22] یعنی تاکہ جو ہلاک ہو تو وہ اتمامِ حجت کے بعد ہلاک ہو، اور جو زندہ رہے تو وہ اتمامِ حجت کے بعد زندہ رہے۔

تمام طرق اور ذرائع کو استعمال کرکے انسان کے سامنے وعد، وعید، ترہیب اور ترغیب کو بیان کیا گیا، اور ان کے لئے مثالیں قائم فرمائی، اور انسان کے تمام اعتراضات کو دفع کیا، اوامر کی تعمیل اور نواہی سے روک جانے کی مکمل توفیق بخشی، اور ان کے اسباب کو مہیا کر دیا گیا تاکہ ان کو حکم کی تکمیل میں کوئی مشکل پیش نہ آئے، اور انسانوں کو اپنی جذبات کو کنٹرول میں رکھنے کا سلیقہ سمجھایا، اور ان کو غور وتدبر کرنے اور معقول چیزوں کی طرف توجہ دلائی، ان پر اپنی نعمتیں تمام کرکے ان کے لئے ان کا دین حنیف مکمل کیا، اور اپنے انبیاء ورسلؑ کے ذریعے جزاء، سزاء، بشارتیں، ترہیبات اور

ترغیبات کے تمام اسباب عطاء فرمائی، اور ان میں بعض امور کو دنیا ہی میں واقع کر کے عملی مثالیں پیش فرمائی تا کہ وہ آخرت کے لئے ذخیرہ کی گئی چیزوں پر دلیل بن جائیں۔ اور دوسری بات یہ بھی کہ جو نعمتیں دنیا میں دی جا رہی ہیں وہ نعمتیں آخرت کی یاد دلائیں۔ اور اللہ تبارک وتعالی نے اپنی لامتناہی حکمت کی وجہ سے بعض ان چیزوں کو لوگوں پر حرام قرار دیا ہے کہ جو ان کے لئے مالی اور جسمانی طور پر مضر ہیں، اسی طرح ان اشیاء کو بھی حرام شدہ امور کے زمرے میں داخل فرمایا ہیں کہ جس سے اجتماعی اور انتظامی امور میں خلل واقع ہوتا ہے، اور اس کے کرنے پر بعض ایسی سزائیں مقرر فرمائی ہیں کہ جس کی وجہ سے لوگوں کی خواہشات محدود ہو کر سکڑ جاتی ہیں، جو بالآخر ان کی سرکشی اور مظالم کو ختم کرنے پر منتج ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی کے جن بندوں نے ان احکامات پر من وعن عمل کیا تو ان کو کسی بھی قسم کا کوئی حزن وملال نہیں پہنچے گا، اور جنہوں نے سرکشی اور نافرمانی کی تو وہ اپنی اس سرکشی اور نافرمانی کے سبب سزاء کا سامنا کرے گا۔ جب بندے کو حرام شدہ افعال اور ان پر دی جانے والی سزاؤں کا علم ہو گیا تو اس کے بعد اس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہو گا، بشرطیکہ اس نے معاصی کا ارتکاب شعوری طور پر اور اپنی رضا واختیار سے کیا ہو۔

رہی بات ایک ایسے شخص کی کہ جو بے عقل اور بے اختیار ہو تو ایسے شخص کے لئے سزاء نہیں، کیونکہ سزاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس شخص کو سزاء دی جا رہی ہو وہ شرعی احکامات کا مخاطب ہو اور اس میں بات سمجھنے کی قوت موجود ہو اور اگر عقلی صلاحیت ہی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو سزاء دینا کوئی معنی نہیں رکھتا، بے اختیار شخص کا حکم بھی یہی ہے، اس لئے کہ اس نے نافرمانی کر کے فعلِ شنیع سر انجام نہیں دیا، بلکہ وہ مجبور تھا اس لئے اس سے یہ کام سرزد ہوا ہے، چنانچہ اس کے بارے میں یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ اس نے اللہ تعالی کے احکامات سے سرکشی کی، کیونکہ اس نے مجبور ہو کر فعلِ حرام کا ارتکاب کیا ہے۔[23]

اب تک جو پیش کیا گیا یہ شریعتِ اسلامیہ کا نظریۂ مسئولیت ہے، مذکورہ بالا بحث سے یہی ظاہر ہوا کہ یہ تمام امور دو بنیادی چیزوں کے محور میں گھومتے ہیں:

1. پہلی یہ کہ جتنی بھی سزائیں ہیں یہ اجتماعی نظم ونسق اور اجتماعی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے کے لئے وضع کی گئی ہیں، سزائیں ایک اجتماعی ضرورت ہے، جو کہ وجودِ معاشرے کے لئے ناگزیر حیثیت رکھتی ہیں، سزاء اسی مقدار میں جاری ہو گی کہ جتنی اس کی ضرورت ہو، لہذا اجتماعی صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھ کر اگر سزاء سختی کا متقاضی ہو تو اس میں سختی کی جائے گی اور اگر سزاء نرمی کا متقاضی ہو تو اس میں نرمی برتی جائے گی، اگر مجرم کو قتل کرنے میں مفادِ عامہ مضمر ہو تو مجرم کو قتل کر دیا جائے گا، اور اگر جیل میں ڈالنے سے مفادِ عامہ کو تحفظ فراہم کرنا ممکن ہو تو مجرم کو جیل میں بند کر دیا جائے گا۔ پھر جیل میں عمر قید بھی ہو سکتی ہے، اور عمر کا کچھ حصہ بھی، یعنی مجرم کو جیل میں ڈالنے سے نہ تو اس کو پوری عمر قید میں رکھنا مقصود ہے اور نہ ہی اس کو صرف جیل کی ہوا کھلانا مقصود ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کی اصلاح ہو کر مفادِ عامہ کو تحفظ فراہم کیا جا سکے، اب اگر مجرم ایک ہفتے میں سدھر سکتا ہے تو اس کو ایک ہفتے بعد جیل سے رہا

کیا جائے گا، اور اگر وہ دس سال بعد سدھر سکتا ہے تو اس کو دس سال بعد جیل سے رہائی دی جائے گی، اور اگر اس کی اصلاح کی امیدیں یکسر ہی دم توڑ جائیں تو پھر اس صورت میں عمر قید کی سزاء بھی دی جا سکتی ہے۔

2. دوسری یہ کہ مکلف انسانوں میں سزاء صرف اسی شخص کو دی جائے گی کہ جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور بااختیار ہو، اور جو شخص سمجھدار اور بااختیار نہ ہو تو اس کو فوجداری طور پر مسئول قرار نہیں دیا جا سکتا، چنانچہ ایسے شخص کو پھر سزاء نہیں دی جائے گی۔ لیکن اس سے یہ مقصد بھی اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اب معاشرے کو اس عدیم العقل اور مسلوب الاختیار شخص کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے، بلکہ اہلِ معاشرہ اپنی حفاظت کے لئے تمام ممکنہ وسائل استعمال کر سکتے ہیں تاکہ اجتماعی نظم و نسق میں خلل واقع نہ ہو، بلکہ نقصان کی بعض صورتوں میں ایسے مجرموں کو جرم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے سزاء بھی دی جا سکتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(1) **مصدرِ صناعی:** مصدرِ صناعی کا مطلب کسی اسمِ جامد یا اسمِ مشتق کے آخر میں یا "ی" مشددہ اور "ۃ" کا اضافہ کیا جائے، اور یہ اضافہ اس اسم میں پائے جانے والے صنف پر دلالت کرنے کے لئے ہوتا ہے، اسمِ مشتق کی مثال؛ مسئول سے "مسئولیت"، مظلوم سے مظلویت۔ اسمِ جامد کی مثال؛ انسان سے "انسانیت"، جمہور سے "جمہوریت"۔

(1) Masdar e sana`e: masdar e sana`e ka matlab kisi jamid ya ism e mushtaq kai aakhir mai ya “Ye” mushaddadah awr “Tah” ka izafa kiya jaye, awr ye izafa os ism mai paye jany waly sinf pr dlalat karny k liye hota hai, ism e mushtaq ki missal: masool sai “masooliat” , mazloom sai “mazlomiat”. Ism e jamid ki missal: insan sai “insaniyat”, jamhoor sai “jamhoriat”

(2) سورۃ الاحزاب [15:33]

(2) Surat ul Ahzab, 33:15

(3) الترمذي ، سنن الترمذي ، 21-أبواب الجهاد ، باب ما جاء في الإمام ، 1395 ھ - 1975ء ، مصر ، مطبعة مصطفى البابي ، رقم الحديث 1705

(3) Al Tirmezi, Sunan al Tirmezi, 21- Abwab ul jihad, bab ma jaa`a fil imam, 1395 h-1975 AD, Mabaat Mustafa albani, raqm al hadith: 1705

(4) مجموعة من المؤلفين ، المعجم الوسيط ، مصر ، دار الدعوة ، بذيل مادة س أ ل

(4) Majmo`at min almo`allifeen, Al mujam Al waseet, Misr, Dar al dawat, bazail madat

(5) أيضاً

(5) Aizan

(6) جندي عبد الملك، الموسوعة الجنائية، الطبعة الثانية ، بيروت ، دار العلم للجميع ، 10:5

(6) Jundi Abdul malik, Almowso`atul Jina`iyat, Al taba`t al saniya, Bairoot, Dar al ilm liljmee. 10:5

(7) جندي عبد الملك ، الموسوعة الجنائية ، الطبعة الثانية ، بيروت ، دار العلم للجميع ، 10:5

(7) Jundi Abdul malik, Almowso`atul Jina`iyat, Al taba`t al saniya, Bairoot, Dar al ilm liljmee. 10:5

(8) جندي عبد الملك ، الموسوعة الجنائية ، الطبعة الثانية ، بيروت ، دار العلم للجميع ، 10:5

(8) Jundi Abdul malik, Almowso`atul Jina`iyat, Al taba`t al saniya, Bairoot, Dar al ilm liljmee. 10:5

(9) سورۃ النور [59:24]

(9) Surat al Noor, 24:59

(10) سنن أبي داود ، 37-كتاب الحدود ، الطبعة الأولى 1435هـ-2014م ، بيروت ، المكتبة العصرية ، رقم الحديث 4403

(10) Sunan e abi Dawood, 37-Kitab al hodood, Altaba`atul oola 1535 h- 1014 AD, Bairoot, Al maktbat Al asriyat, raqmul hadith, 4403

(11) سورۃ النحل [106:16]

(11) Surat al Nahl, 16:106

(12) سورۃ البقرۃ [173:2]

(12) Surat al Baqarat, 2:173

(13) الحاكم ، المستدرك على الصحيحين ،كتاب الطلاق ، الطبعة الأولى ، 1411هـ-1990م ، بيروت ، دار الكتب العلمية ، رقم الحديث 2801

(13) Al hakim, Almustadrak ala alsahihain, Kitab altalaq, Altaba`atul oola, 1411h-1990 AD, Bairoot, darul Kotobul ilmiyat, raqmul hadith. 2801

(14) سورۃ النجم [38-39:53]

(14) Surat al najm, 53:38-39

(15) سورۃ المائدہ [95:5]

(15) Surat al maeda, 5:95

(16) جندي عبد الملك ، الموسوعة الجنائية ، الطبعة الثانية ، بيروت ، دار العلم للجميع ، 9:5

(16) Jundi Abdul malik, Almowso`atul Jina`iyat, Al taba`t al saniya, Bairoot, Dar al ilm liljmee. 5:9

(17) جندي عبد الملك ، الموسوعة الجنائية ، الطبعة الثانية ، بيروت ، دار العلم للجميع ، 12:5

(17) Jundi Abdul malik, Almowso`atul Jina`iyat, Al taba`t al saniya, Bairoot, Dar al ilm liljmee. 5:12

(18) جندي عبد الملك ، الموسوعة الجنائية ، الطبعة الثانية ، بيروت ، دار العلم للجميع ، 14:5

(18) Jundi Abdul malik, Almowso`atul Jina`iyat, Al taba`t al saniya, Bairoot, Dar al ilm liljmee. 5:12

(19) علي بدوي ، القانون الجنائي ، الطبعة الثانية 1343 هـ -1924 م ، القاهرة دار الكتب المصرية ، 370

(19) Ali Badavi, Alqanoonul jinae, Altba`atul saniat, 1343 h-1924 AD, Alqahirat, darul kotobul misriyat, 370

(20) عبد القادر عودة (ت 1954م) التشريع الجنائي الإسلامي مقارنا بالقانون الوضعي ، بيروت ، دار الكتاب العربي ، 385:1

(20) Abdul qadir oodat (1954) Al tashreoul jinaeyel islami muqarinan bilqanoonil waze`e, Bairoot, darul kitabul arbiyye. 1:385

(21) عبد العلي اللكنوي ، فواتح الرحموت ، المقالة الثانية في الأحكام، 115:1

(21) Abdul aliyel laknavi, Fawatih al rahmot, almqalatul Saniya fil ahkam, 1:115

(22) سورۃ الانفال [75:8]

(22) Surat al Anfal, 8:75

(23) الآمدي ، الإحكام في أصول الأحكام ، الطبعة الثانية 1402هـ ،دمشق -بيروت ، المكتب الإسلامي 150:1

(23) Al Amadi, Al ahkma fi osulil ahkam, Altba`àtul saniyat 1402 h, Damishq-Bairoot, Almaktabul Islami, 1:150